Majallah-yi Talim o Tahqiq

Markaz Talim o Tahqiq, Gulshan-e-Taleem,
Sector H-15, Islamabad, Pakistan

مجلہ تعلیم و تحقیق

مرکز تعلیم و تحقیق، گلشنِ تعلیم، ایچ۔۱۵، اسلام آباد، پاکستان

ISSN (P): 2618-1355, **ISSN (Online):** 2618-1363

Issue 1,Vol 4,January-March

شمارہ ۱، جلد ۴، جنوری—مارچ، ۲۰۲۲

جماعت اسلامی پاکستان کے قیام اور تشکیل کی ضرورت، ایک تنقیدی جائزہ

The need for the formation and configuration of Jamaat-e-Islami Pakistan a critical review

احمد عبداللہ [1]

ڈاکٹر طاہرہ بشارت [2]

Keywords:

Foundation, Background, War of Independence, Ideology, Anxiety, Literature, Generation.

Abstract:

Maulana Maududi was feeling the need for a party that would completely be an Islamic party. He distinguished between outward and true Islam, ethnic and true Muslim, and encouraged Muslims to consciously embrace true Islam and become true Muslims. The main difference between this party and the other Muslim religious and political parties in the subcontinent at that time was their formation aims and objectives, on the basis of which Maulana Maududi felt the need for an Islamic party in view of which the whole of Islam should be the coveted view instead of worldly aims. Furthermore, in its party organisation, it should satisfy and adopt the method of the party established by the Holy Prophet (PBUH). Unlike other parties, it included members who had a good character and were well aware of the meaning and significance as well as the requirements of Kalama Tiyyaba. This party was also given the name of Jamaat-e-Islami because its creed, mission, organization and methodology was more or less the same as that of Islam.

The reasons given in this study were: Why did Maulana MAududi feel the need for a new party in spite of the fact that there were other religious and political parties present in the Indian subcontinent?

What was the role of Muslim organizations in the society?

What was the fundamental difference between the mission of Jamaat e Islami and the rest of organizations?

The following article will shed light on the situation after the 1857AD War of Independence, the role of Muslim Indo-Pakistani political movements and the Jamaat-e-Islami.

[1] ۔پی ایچ ڈی سکالر، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

[2] ۔پروفیسر، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

مولانا مودودی ایک ایسی جماعت کی ضرورت محسوس کر رہے تھے جو کہ ایک مکمل اسلامی جماعت ہو۔انہوں نے ظاہری اور حقیقی اسلام، نسلی اور اصلی مسلمان کا فرق قائم کیا اور مسلمانوں کو حقیقی اسلام شعوری طور پر اختیار کرنے اور اصلی مسلمان بننے کی ترغیب دی۔ اس جماعت اور برصغیر میں اس وقت موجود دیگر مسلم مذہبی اور سیاسی جماعتوں میں بنیادی فرق ان کے تشکیلی مقاصد اور اہداف کا ہی تھا جس کی بنیاد پر مولانا مودودی ایک ایسی اسلامی جماعت کی ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ جس کے پیش نظر دنیاوی مقاصد کے بجائے پورے کا پورا اسلام ہی مطمع نظر ہو اور جماعتی تنظیم میں رسول اکرم ﷺ کی قائم کردہ جماعت کے طریقہ کار کو اختیار کرے۔ دیگر جماعتوں کے برعکس اس میں ان ارکان کو شامل کیا گیا جو عمدہ سیرت و کردار کے مالک تھے اور کلمہ طیبہ کے معنی و مفہوم اور اس کے تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھے۔اس جماعت کو جماعت اسلامی کا نام بھی اس لیے دیا گیا کہ اس کا عقیدہ، نصب العین، نظم جماعت اور طریقہ کار کم و بیش وہی تھا جو اسلام رہا۔

اس مقالے میں پیش نظر یہ ہے کہ آخر کیا اسباب تھے کہ مسلمانان ہند کی دینی و سیاسی جماعتیں ہونے کے باوجود بھی مولانا مودودی ایک نئی جماعت کی ضرورت کیوں محسوس کر رہے تھے؟ مسلمانوں کی تنظیموں کا معاشرے میں کیا کردار تھا؟ جماعت اسلامی اور دیگر جماعتوں کے نصب العین میں بنیادی فرق کیا تھا؟۔زیر نظر مقالہ میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کے حالات، مسلمانان ہند کی دینی و سیاسی تحریکوں کے کردار اور جماعت اسلامی کے قیام پر روشنی ڈالی جائے گی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ان انگریز حکومت نے مسلمانانِ ہند کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے ہوئے ان کو کچلنے کے لیے معاندانہ پالیسیاں بنائیں۔ہندو قوم کی مکمل سرپرستی کر کے مسلم دشمنی جذبے کو پروان چڑھا کر انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ہندوؤں نے بھی اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔چند مسلمان قائدین نے اپنی قوم کو پستی سے نکالنے کے لیے ابتداءً تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز کیا جو کہ بعد میں کثیر الجہتی تحریکوں میں بدل گئیں اور معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ذیل میں ان تحریکوں کے مقاصد و اہداف کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ان تحریکوں میں سے دار العلوم دیوبند خالصتاً ایک اسلامی علوم کے احیا کی تحریک تھی۔ جس کا مقصد اسلامی تہذیب و افکار کی حفاظت، انگریز اور ہندوؤں کے افکار و نظریات اور غلامی سے مسلمانوں کو نجات دلانا تھا۔اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود اس تحریک نے مسلمانوں کی بہت بڑی تعلیمی ضرورت کو پورا کیا اور اسلامی علوم و روایات کو از سر نو زندہ کیا اور ایسے فضلاء پیدا کیے جنہوں نے اسلام، مختلف شعبہ ہائے زندگی اور قیام پاکستان کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔جبکہ اس کا دوسرا رخ دیکھا جائے تو مسلمانوں کا نظام تعلیم دو حصوں میں بٹ گیا اور ہندوستان میں پہلی دفعہ قدیم و جدید تعلیم کی اصطلاح وجود میں آئی۔اگر دار العلوم اپنا نصاب تعلیم جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کر لیتا اور عربی زبان و ادب، فلسفہ و علم الکلام وغیرہ کے تعلیمی نصاب کو مشاہدہ، تجربہ، کلاسیکی ادب اور علمی ارتقاء کی روشنی میں از سر نو مرتب کر لیتا تو مسلمانوں کی تعلیم قدیم و جدید کی تقسیم سے بچ جاتی اور تعلیمی روایت کا تسلسل بھی برقرار رہتا۔

میاں عبدالرشید لکھتے ہیں:

حملہ آور کا مقابلہ دو طرح سے ہو سکتا ہے۔آگے بڑھ کر یا اپنے آپ کو قلعہ میں محصور کر کے۔ تحریک علی گڑھ نے آگے بڑھ کر مغربی افکار کا مقابلہ کیا اور تحریک دیوبند نے قلعہ بند ہو کر۔ مؤخر الذکر کا طرز عمل یہ تھا کہ ہر مغربی چیز بری ہے۔اس کے قریب نہ جاؤ۔نہ انگریزی پڑھو۔نہ مغربی معیشت اپناؤ۔ مگر اس طرز عمل نے اپنی انتہائی صورت میں یورپی علمی دور کی دونوں بنیادی خصوصیتوں، حواس ظاہری سے حاصل شدہ تجرباتی علم اور استدلالی طرز فکر ہی سے دوری اختیار کر لی۔ اس روش نے انہیں حقیقت پسندی اور مبنی بر معقولیت سوچ دونوں سے محروم کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے شرعی اور سیاسی دونوں معاملات میں ٹھوکریں کھائیں اور باوجود خلوص نیت کے بر عظیم کے مسلمانوں کو فائدہ کم اور نقصان پہنچایا۔[3]

۱۸۷۱ء میں سابقہ تعلیمی پالیسی میں ترمیم کرتے ہوئے وائسرائے ہند لارڈ میو نے مسلمانوں کو جداگانہ اسکول و کالج کھولنے کی اجازت دے دی تو اسی پالیسی سے فائدہ اٹھا کر سر سید نے ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ میں پہلے ایک ہائی اسکول جو بعد میں جدید طرز پر کالج بنا دیا گیا۔اس کالج نے تحریک علی گڑھ کا روپ دھار کر برصغیر کے مسلمانوں کی تعمیر و ترقی کے لیے بہت فعال کردار ادا کیا۔اس تحریک کے پیش نظر درج ذیل اہم مقاصد تھے۔

اول: مغرب کی ترقی کا کھلے دل سے اعتراف کرنا اور ان کے جدید علوم بالخصوص سائنس سے پورا استفادہ کرنے کی سعی۔

دوم: مغربی طرز پر نئے تعلیمی اداروں کا قیام اور تعلیم و تربیت کے نئے طریقوں سے استفادہ کرنا۔

سوم: مذہب کی ایک جدید تعبیر و تشریح جو جدید زمانے کے تقاضوں سے مطابقت رکھتی ہو اور اس کی بدولت بدلے ہوئے حالات میں مذہب کی حقانیت روشن ہو سکے۔

چہارم: برطانوی حکومت اور مسلمانوں کے درمیان کشیدگی کو دور کرنا اور خوشگوار تعلقات پیدا کرنا۔[4]

علی گڑھ میں مسلمانوں کی نوخیز نسل اور ذہین طبقہ جمع ہوا تھا۔ جو انگریزی اساتذہ کے زیر نگرانی مغربی علوم، معاشرت اور افکار و نظریات سیکھتے تھے۔اس کے نتیجے میں ہندوستان کے مسلمان معاشرے میں مغربیت کا ایک سیلاب امڈ آیا۔ور ایک ایسی نسل تیار ہوئی جو اپنے سلف صالحین کے فکر و عمل سے یکسر مختلف تھی۔ سر سید نے مسلمانانِ ہند میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ بلاشبہ ایک غیر مسلم ماحول اپنی تحریک سے مسلمانوں میں یکجہتی پیدا کرنے کی پوری کوشش کی اور مثبت مقاصد کے لیے من حیث القوم اکٹھا کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

دسمبر ۱۹۰۶ء میں نواب سر سلیم اللہ کی دعوت پر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ڈھاکہ میں منعقد کیا گیا۔ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کے بعد ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو نواب وقار الملک کی زیر صدارت ایک اجلاس منعقد کیا گیا۔ خطبہ صدارت کے بعد نواب سلیم اللہ

---

[3] ۔ میاں عبدالرشید، **پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر**، (ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب لاہور، ۱۹۸۵ء)، ص ۱۱۱

[4] ۔حفیظ مینائی، شبلی اور علی گڑھ تحریک، **مجلہ کریسنٹ شبلی نمبر**، اسلامیہ کالج لاہور، (جنوری ۱۹۷۱ء)، ص ۲۳۵

خان نے مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد پیش کی جس کی رو سے مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا اور سر آغا خان کو مسلم لیگ کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ اس قرارداد میں مسلم لیگ کے درج ذیل اغراض و مقاصد بیان کیے گئے۔

الف۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں حکومت برطانیہ سے وفاداری کا جذبہ پیدا کرنا اور آئندہ حکومت کے اقدامات کے متعلق پیدا ہونی والی بدگمانیوں کو دور کرنا۔

ب۔ دوسری جماعتوں کے خلاف مسلمانوں میں جذبہ عداوت کی نشوونما کا ایسے طریقے سے انسداد کرنا کہ جس سے مسلم لیگ کے مذکورہ اغراض و مقاصد کو نقصان نہ پہنچے۔

ج۔ ہند کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق و مفادات کا تحفظ کرنا اور ان کی ضروریات و خواہشات سے حکومت کو آگاہ کرنا۔[5]

قائداعظمؒ اپنی سیاسی زندگی میں ایک طویل عرصہ تک ہندو مسلم اتحاد کے حامی رہے اور ہندو اور کانگریس کے سخت معاہدانہ طرز عمل کے باوجود بھی آپ ملک کی تقسیم کے قائل نہیں تھے۔ البتہ آپ کو ایک الگ وطن (پاکستان) کا قائل اور داعی بنانے میں پس پردہ بہت سے لوگوں کی کوششیں تھیں جن میں خیری برادران (ڈاکٹر عبدالستار خیری اور ڈاکٹر عبدالجبار خیری) اور علامہ اقبالؒ سر فہرست تھے۔ علامہ اقبالؒ اور خیری برادران کی سخت کوششوں سے قائداعظمؒ نے بھی بالآخر نظریہ پاکستان کو قبول کر لیا۔ مسلمانوں کے لیے جداگانہ وطن کا منصوبہ سب سے پہلے ڈاکٹر عبدالجبار خیری نے ۱۹۱۷ء میں اسٹاک ہوم (سویڈن) میں پیش کیا اور علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبہ الہ آباد میں اس کی مکمل وضاحت فرمادی۔ وہ اپنے خطبہ میں فرماتے ہیں:

> ہندوستان ایک ایسا براعظم ہے جس میں مختلف قبیلوں کے انسانی گروہ آباد ہیں ان کی زبانیں مختلف ہیں اور ان کے مذاہب بھی جداگانہ ہیں ان کا کردار مشترک نسلی شعور پر مبنی نہیں ہوتا۔ حتٰی کہ خود ہندوؤں بھی ایک مربوط وحدت کی صورت میں نہیں ملتے۔ لہٰذا ہم سے وابستہ حقائق کو تسلیم کیے بغیر مغربی جمہوریت کے اصولوں کا ہندوستان پر اطلاق ممکن نہیں ہے، اس لیے ہندوستان کے اندر ایک مسلم ہند کی تشکیل کے لیے مسلمانوں کا مطالبہ بالکل جائز ہے۔ میں پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان کو ایک الگ مملکت کی صورت میں دیکھنا پسند کروں گا۔ ایسی حکومت جو برطانوی حکومت کے زیر نگیں یا برطانوی حکومت سے آزاد رہ کر خود مختار ہو مجھے تو مسلمانوں کا کم از کم شمالی ہند کے مسلمانوں کے منتہائے مقدر شمال مغربی ہندوستانی مسلم حکومت کا قیام نظر آتا ہے۔[6]

تحریک خلافت کی ابتداء چونکہ اسلام کے نام اور خلافت ترکیہ کی حفاظت کے لیے ہوئی تھی اس لیے ہندوستان کے مسلمان سر پر کفن باندھ کر اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ خلافت کے جلسوں میں مرد و عورت سبھی شریک ہوتے تھے۔ مسلمانوں کے انتہائی جوش و جذبے کو غیر معمولی طور پر انگریز حکومت کی مخالفت میں مشغول دیکھ کر گاندھی اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے تحریک

---

[5] ۔ایس ایم بشیر، مسلم لیگ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۹۲ء تک، (پاک پرنٹرز اینڈ پبلشر لاہور، ۱۹۹۳ء) ، ط۱، ص ۴۲

[6] ۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر روشن آراء راؤ، **تاریخ تحریک پاکستان**، (مقتدرہ قومی زبان ،اسلام آباد، ۱۹۹۳ء) ج اول، ص ۲۰۹۔۲۰۹

خلافت میں شریک ہو گئے۔ تحریک خلافت اپنے مقاصد تو حاصل نہ کر سکی مگر اس نے مسلمانوں کی مستقبل کی سیاست پر دور رس اثرات مرتب کیے۔ اس تحریک میں تمام مکاتب فکر کے لوگوں نے باہمی اختلافات کو بھلا کر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مسلمانوں میں سیاسی شعور بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ خلافت اور مقدس مقامات کے تحفظ کے لیے بے شمار قربانیاں دیں۔ اس تحریک کی بنیاد مسلم ہندو اتحاد پر رکھی گئی تھی مگر دونوں قوموں کے مقاصد مختلف تھے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ایک مذہبی مسئلہ تھا جبکہ ہندوؤں کے پیش نظر ذاتی مقاصد کا حصول تھا جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں کہ :

> تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد مسلمان ایک بار پھر شدید مایوسی کا شکار ہوئے، اس زمانہ میں ایک طرف عام وقنوطیت تھی اور دوسری طرف تقریباً تمام مسلمان لیڈر ناکام ہو چکے تھے۔ کوئی دوسرے پر اعتماد کرنے کو تیار نہ تھا اور مسلمان ایک ایسے گلہ کے مانند تھے جس کا کوئی نگہبان نہ ہو۔ ایک ایسا قافلہ جس کا کوئی سالار نہ ہو۔ مغربیت اور اشتراکیت (جسے روس میں کامیابی کے بعد مایوس زدہ مسلمانوں میں ایک نیا میدان نظر آرہا تھا) کا پلڑا دوبارہ بھارہ ہوا۔ ذہنوں کو پراگندہ کرنے کے لیے بہت سے فتنوں نے سر اٹھایا جن میں نگار اور ترقی پسند ادب کی تحریک خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ جواہر لعل اس دور کے نوجوانوں کا نیا ہیرو تھا جو اشتراکیت پر ہزار جان سے فریفتہ تھا اور جس کی خود نوشت کی ہزاروں کاپیاں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی تھیں۔ پہلے دو سال میں متعدد ایڈیشن اس کتاب کے نکلے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تاریکی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی اور اسی تاریکی کا سینہ چاک کر کے موجودہ تحریکِ اسلامی رونما ہوئی ہے۔ تحریک اسلامی کا قیام اور اس کا فروغ ہندو پاکستان کی تاریخ میں ایک نئے دورِ نقیب ہے[7]

۲۵ نومبر ۱۹۱۹ء کو خلافت کمیٹی کے اجلاس کے لیے حکیم اجمل خان کی دعوت پر بہت سے مسلم رہنما دہلی میں جمع ہوئے۔ اس اجلاس میں ہی علمائے کرام کی ایک جداگانہ تنظیم جمعیت العلماء ہند کے نام سے عمل میں آئی۔ اس کے صدر مفتی کفایت اللہ دہلوی اور سیکریٹری مولوی احمد سعید مقرر ہوئے۔ تحریک خلافت کے دوران ہجرت، ترک موالات اور عدم تعاون پر سب سے زیادہ زور بھی اسی جماعت کے اکابرین نے دیا تھا۔ یہ جماعت ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی و سماجی خدمات کے لیے قائم کی گئی تھی مگر متحدہ قومیت پر پختہ یقین رکھتی تھی اسی وجہ سے تقسیم پاکستان کے وقت اس کے رہنماؤں نے تقسیم کی سخت مخالفت بھی کی۔ البتہ ۱۹۴۵ء میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک اس جماعت میں سے ہی ایک ایسے گروپ کی بنیاد رکھی جو کہ تقسیم پاکستان کا حامی تھا اور انہوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔

جماعت اسلامی کی تشکیل:

سید ابوالاعلیٰ مودودی ۳ رجب ۱۳۲۱ھ بمطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء کو اورنگ آباد میں ایک علمی و مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر سے ہی حاصل کی۔ انہیں نحو، صرف، فقہ اور عربی ادب کی متعدد کتب پڑھ لینے کے بعد مدرسہ فوقانیہ اورنگ

---

[7] ۔ پروفیسر خورشید احمد، (مرتب)، **تحریک اسلامی**، (ادارۂ چراغ راہ، کراچی، ۱۹۶۳ء) ص ۶۸

آباد میں رشیدیہ جماعت[8] میں داخل کروادیا گیا۔ مولوی امتحان کے بعد حیدرآباد میں دارالعلوم میں مولوی عالم کی جماعت میں داخل ہوئے مگر والد کی وفات کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔

مولانا مودودی نے ۱۹۱۸ء میں اپنے بھائی کے ساتھ اخبار مدینہ بجنور میں کام شروع کیا مگر تھوڑے ہی عرصے بعد الگ ہوگئے۔اس کے بعد کچھ عرصہ اخبار تاج جبل پور میں ایڈیٹر کے فرائض سرانجام دیے۔۱۹۲۱ء جمعیت علمائے ہند نے دہلی سے مسلم اخبار جاری کیا تو مولانا مودودی کو ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔۱۹۲۳ء میں اس اخبار کے بند ہو جانے کے بعد بھوپال چلے گئے اور پھر ۱۹۲۴ء کو دہلی واپس آئے اور جمعیت علمائے ہند نے الجمعیت اخبار نکالا تو ۱۴ جون ۱۹۲۵ء سے ۱۵ مئی ۱۹۲۸ء تک اس اخبار کو چلاتے رہے۔

۱۹۲۶ء کے اواخر میں آریہ سماج کے لیڈر اور شدھی تحریک (مسلمانوں کو ہندو بنانے والی) کے بانی سوامی شردھانند نے اپنی کتاب میں نبی آخر الزمان ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ جس پر ایک مسلمان عبدالرشید نامی نے اس کو جہنم واصل کر دیا۔ جس پر تمام ہندوؤں نے ملک گیر طوفان برپا کر دیا۔اسلام اور اسلام کے نظریۂ جہاد کو تنقید کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ علمائے کرام نے اسلام کے مکمل تصور جہاد کو پیش کرنے کے بجائے معذرت خانہ پالیسی اختیار کرتے ہوئے صرف دشمن کی مدافعت کرنے کو جہاد کا نام دیا۔ان حالات میں مولانا محمد علی جوہر نے ایک دن دہلی کی جامع مسجد میں ہندوؤں کے بے بنیاد الزامات کا ذکر کرتے ہوئے نہایت جذباتی انداز میں اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ ان الزامات کے جواب میں اسلام کے مسئلہ جہاد کا صحیح نقطۂ نظر پیش کرے۔ یہ تقریر سننے والوں میں سے مولانا مودودی بھی تھے۔انہوں نے اسی مجلس میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اسلام کے مسئلہ جہاد کا مطالعہ کر کے اس کی وضاحت کرنے کا فریضہ سرانجام دیں گے۔ چنانچہ وہ الجہاد فی الاسلام کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ :

> میں نے فرصت کا انتظار چھوڑ کر اپنے اسی قلیل وقت میں جو ترتیبِ اخبار سے بچتا تھا پیش نظر مضمون کی تحریر و تسوید کا کام شروع کر دیا اور ساتھ ہی اخبار الجمعیۃ کے کالموں میں اس کی اشاعت شروع کر دی۔ابتداً محض ایک مختصر مضمون لکھنے کا ارادہ تھا مگر سلسلہ کلام چھڑنے کے بعد بحث کے اس قدر گوشے سامنے آتے چلے گئے کہ اخبار کے کالموں میں ان کا سمانا مشکل ہو گیا۔اس لیے مجبوراً ۲۳۔۲۴ نمبر شائع کرنے کے بعد میں نے اخبار میں اس کی اشاعت بند کر دی اور اب اس پورے سلسلہ کو مکمل کر کے کتابی صورت میں پیش کر رہا ہوں۔[9]

مولانا مودودی کی یہ پہلی تصنیف تھی جو انہوں نے چوبیس برس کی عمر میں ۱۹۲۷ء میں تقریباً چھ ماہ کی قلیل مدت میں تحریر کی تھی۔اسی کتاب کی بدولت آپ کا ڈاکٹر علامہ اقبالؒ سے غائبانہ تعارف ہوا تھا اور انہوں نے اس کتاب کی افادیت و جامعیت کے بارے میں فرمایا تھا کہ :

---

[8] ۔یہ ایک نیا نظام تعلیم تھا جس میں جدید و قدیم علوم کو ملایا گیا تھا جو کہ جامعہ عثمانیہ کے قیام سے پہلے حیدرآباد کی ریاست میں شروع کیا گیا تھا۔اس نظام تعلیم میں ہائی اسکول کو مدارس فوقانیہ اور کالج کو دارالعلوم کہتے تھے۔رشیدیہ مڈل، میٹرک مولوی، ایف اے مولوی عالم اور بی اے مولوی فاضل کے قائم مقام تھا۔

[9] ۔ابوالاعلیٰ مودودی، سید، **الجہاد فی السلام**، (دارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۸۔۱۹

اسلام کے نظریہ جہاد اور اس کے قانون صلح و جنگ پر یہ ایک بہترین تصنیف ہے اور میں ہر ذی علم آدمی کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اس کا مطالعہ کرے۔[10]

مولانا مودودی کو اپنی اس کتاب کی تالیف و تحقیق کے دوران اسلام کے اساسی افکار و نظریات اور تفصیلی احکام کا بغور مطالعہ کرنے کا موقع ملا جس سے ان میں اسلامی نظام شریعت کا فہم اور اس کی حقانیت پر یقین اور پختہ ہوا اور ان میں اس نظام کے احیا کا جذبہ بیدار ہوا جس سے ان کے سفر کی سمت بھی واضح ہو گئی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ :

اس کتاب نے سب سے زیادہ فائدہ خود مجھے پہنچایا ہے، میں نے جب اس کتاب کے لکھنے کا ارادہ کیا تھا، تو میرے اندر دینی حمیت سے زیادہ قومی حمیت کا جذبہ کام کر رہا تھا، لیکن تالیف و تحقیق کے دوران میں جب مجھے ایک ترتیب کے ساتھ اسلام کے اساسی نظریات اور اس کے تفصیلی احکامات کا غور سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا، تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھ میں نہ صرف نظام شریعت کا فہم اور اس کی حقانیت کا غیر متزلزل یقین ابھر آیا۔ بلکہ اس نظام کے احیا کا ولولہ بھی مجھ میں پیدا ہو گیا اور اس کے لیے کام کرنے کا طریقہ بھی میری سمجھ میں آگیا۔ اس کے بعد میں نے اخبار نویسی کے مروج اور پامال راستے کو خیر باد کہنے کی ٹھان لی۔ الجمعیۃ سے علیحدگی اختیار کر لی اور طے کیا کہ صحافت کی دنیا میں اگر قدم رکھوں گا، تو صرف اس شرط پر کہ اسے دین حق کی خدمت کا ذریعہ بناؤں۔ اس کے بعد مزید پانچ سال تک صرف مطالعہ، لکھنے پڑھنے اور اپنی علمی استعداد بڑھانے کا کام کرتا رہا۔[11]

۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۶ء تک کا زمانہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے سخت ذہنی خلفشار و انتشار کا دور تھا۔ مسلمانوں کے اس قومی انتشار کے دور میں من حیث القوم کوئی واضح اور متعین نصب العین نہیں تھا۔ ہندو مسلم فسادات پھیلتے جا رہے تھے مسلم تنظیمیں باہمی اختلاف و انتشار کا شکار تھیں۔ کوئی ایسی جماعت نہیں تھی جسے مسلمانوں کی غالب یا معتمد بہ اکثریت کا پورا اعتماد حاصل تھا۔ یہ وہ دور تھا جس میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مشترکہ جدوجہد کا جو تجربہ کیا تھا وہ ناکام ثابت ہوا۔ اور ابھی تک کوئی نئی راہ عمل بھی واضح طور پر سامنے نہیں آئی تھی۔ اسی دور کے فتنوں اور مسلمانوں کے باہمی انتشار کو دیکھ کر مولانا مودودی نے ان حالات کا مقابلہ کرنے اور اسلام کی حفاظت و سربلندی کا بیڑا اٹھانے کا سوچا۔ وہ اپنے ایک انٹرویو میں ذکر کرتے ہیں :

۲۴ء سے قریباً ۳۷ء تک کے حالات بڑے مایوس کن تھے۔ مسلمان شدید بحرانی کیفیت میں مبتلا تھے۔ ایک طرف تو تحریک خلافت ناکام ہو گئی تھی اور اس کے بعد ہی ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ خود مسلمانوں میں ایسا انتشار پیدا ہو گیا تھا کہ ان کا کوئی حقیقی رہنما یا لیڈر ایسا نہ تھا جس پر وہ پوری طرح سے اعتماد کر سکیں۔ مسلمانوں کے سامنے کوئی نصب العین نہ رہا اور وہ آپس میں دست و گریبان تھے۔ دوسری طرف ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے

---

[10] ۔ محمد یوسف، بھٹہ، **مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں**، (ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور، ۲۰۱۸ء)، ص ۲۲۶

[11] ۔ محمد یوسف، بھٹہ، **مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں**، (ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور، ۲۰۱۸ء) ص ۲۲۶۔۲۲۷

ہندوؤں کے عزائم بھی پوری طرح کھل کر سامنے آگئے تھے۔ان کے مفادات کی نمائندگی گاندھی جی کر رہے تھے۔ مسلمان ان ہر اعتماد رکھتے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ ہمارے یہاں کی جو دینی درسگاہیں تھیں، ان میں بھی بکثرت ایسے لوگ نکل رہے تھے جو اسلام سے ایک حد تک منحرف اور مایوس سے تھے۔اور نوبت بایں رسید، کہ لوگ نماز پڑھتے ہوئے شرماتے تھے۔ خصوصاً ریل میں اور باغوں میں تو نماز پڑھ کر ایک شخص اپنے کو نکو بنواتا تھا۔اس زمانے میں سوچتے سوچتے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ان حالات کے مقابلے میں کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔یہ وہ حالات تھے، جن کو دیکھ کر میں نے محسوس کیا کہ باقاعدہ کوشش کے بغیر اسلام کی حفاظت اور اس کی سر بلندی ممکن نہیں۔[12]

مولانا مودودی نے جمعیت علمائے ہند کے اخبار الجمعیت سے اپنے اصلاحی پروگرام کا آغاز کیا۔الجمعیت میں آپ نے مسلمانوں کی بیداری، تبلیغ اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے بارے میں متعدد عملی تجاویز بھی پیش کیں۔لیکن جب جمعیت علمائے ہند نے کانگریس کے نظریہ متحدہ قومیت کو ایک قرارداد کے ذریعے قبول کیا تو اس وقت مولانا مودودی اس اخبار کی ادارت سے الگ ہو گئے۔کیونکہ وہ وطنی قومیت کی بجائے دینی قومیت کے علمبردار تھے۔الجمعیت اخبار سے علیحدگی کے بعد سے مولانا مودودی اپنے اسلامی شعور کی ترجمانی کے لیے ایک ایسے پلیٹ فارم کی تلاش میں تھے جس سے وہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔جولائی ۱۹۳۱ء میں حیدرآباد منتقل ہو گئے جہاں مولوی ابو محمد مصلح،، مجلس تحریک قرآن،، کی مجلس بنا کر قرآن کی تبلیغ واشاعت کا کام کر رہے تھے۔اس مجلس کے زیر انتظام گزشتہ چھ ماہ سے رسالہ ترجمان القرآن شائع ہو رہا تھا۔مولانا مودودی اس کے ایڈیٹر انچارج مقرر ہوئے۔چھ ماہ کی رفاقت کے بعد مولوی ابو محمد مصلح نے یہ رسالہ کلیتاً مولانا مودودی کے حوالے کر دیا۔اب مولانا کو اپنے نصب العین اور مقصد زندگی کے حصول کے لیے ایسا پلیٹ فارم مل گیا جو پھر عمر بھر ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔انہوں نے اسلامی افکار و نظریات کی اشاعت کا منصوبہ اسی رسالے کے ذریعے سے شروع کیا۔

علامہ اقبالؒ کی ایک خواہش تھی کہ کہ ہندوستان میں اسلامی علوم کی احیاء کا ایک ایسا مرکز ہو جس میں جدید و قدیم علوم کے ماہرین کا اجتماع ہو اور اس میں حالات حاضرہ کا تجزیہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں کیا جائے۔فقہ اسلامی کی جدید طرز پر تدوین کی جائے اور اسلام کے نظام حیات کو فکری لحاظ سے دیگر تمام نظام ہائے زندگی سے بلند تر ثابت کیا جائے۔مغربی علوم کی کے مقابلے میں اسلامی علوم کی بھی تدوین کی جائے اور اسلامی قانون کو عصر حاضر کی ضرورت کے مطابق مرتب کرنا چاہیے۔اس کام کے لیے ایک علمی اور تحقیقی ادارہ قائم کرنا ان کی خواہش تھی۔اس خواہش کا اظہار وہ اپنے دوستوں سے کئی بار کر چکے تھے۔

انہیں دنوں پٹھانکوٹ ضلع گورداسپور سے چوہدری نیاز علی خان علامہ اقبالؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔چوہدری نیاز ایک زمیندار تھے اور انہوں نے پٹھانکوٹ کے قریب نہر کے کنارے ایک وقف قائم کیا تھا جس کا مقصد اسلام کی خدمت تھا۔انہوں نے اپنے

---

[12] ۔پروفیسر خورشید احمد،(مرتب)،**تحریک اسلامی**،(ادارہ چراغ راہ، کراچی،۱۹۶۳ء)ص۸۶

منصوبے کے تحت کچھ عمارات کی تعمیر بھی شروع کر دی تھی اور اب وہ علامہ اقبالؒ سے اس کی سرپرستی، مقاصد اور اس مصرف کے بارے میں بہترین طریقہ کار جاننا چاہتے تھے۔ علامہ اقبال کو ان کے خدمتِ اسلام کے جذبے کو دیکھ کر اپنی خواہش کی تکمیل کا سر و سامان پیدا ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ اور انہوں نے چوہدری صاحب کو اس کے حوالے سے متعدد تجاویز بھی دیں۔ لیکن اصل مسئلہ ادارے کے لیے ایک ایسے شیخ کی فراہمی کا تھا جو تعلیم و تربیت اور تصنیف و تالیف کی نگرانی کرے اور ایک طرف علم و فضل کی قوت سے عصر حاضر کے مسائل کا جواب دے اور دوسری طرف ایسے افراد تیار کرے جو عالم اسلام میں فکری و عملی انقلاب لانے کی صلاحیت کے حامل ہوں۔ اسی سلسلہ میں علامہ اقبالؒ نے ایک خط جامعہ ازہر مصر کے شیخ علامہ مصطفیٰ المراغی کو لکھا تھا جس میں انہوں نے دارالاسلام ٹرسٹ کا تعارف اور اس کے مقاصد کے بارے میں لکھا تھا اور اس ادارے کے لیے عالم و فاضل اساتذہ کی فراہمی کا مطالبہ کیا تھا مگر شیخ ازہر کی جانب سے اس کا جواب نفی میں آیا۔

مولانا مودودی بھی علامہ اقبالؒ اور چوہدری نیاز علی خان کی طرح ایک مرکز قائم کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اس ادارے کے قیام کے لیے انہوں نے حیدر آباد میں زمین تک خرید لی تھی۔ وہ اپنے اس مقصد کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اسی مقصد کے تحت میں نے ترجمان القرآن شائع کرنا شروع کیا۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ میں نے رسالہ جاری نہیں کیا تھا بلکہ دراصل اپنے کام کی مچھلیاں پکڑنے کے لیے ایک جال پھیلایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ایک تجارتی کام بھی شروع کر دیا، تاکہ اپنے پیش نظر مرکز کی تعمیر کے لیے زمین تیار کرنے میں جب تک مجھے کامیابی نصیب ہو، اس وقت تک یہ کام فروغ پا کر اس قابل ہو جائے کہ اس مرکز کے مصارف سہار سکے، اور مجھے کم از کم اس کے قائم کرنے میں کسی سے مدد نہ لینی پڑے، کیونکہ میں اپنے زمانہ کے ذی استطاعت اور صاحب حیثیت مسلمانوں کی ذہنیت کا کافی تجربہ رکھتا ہوں، اور یہ جانتا ہوں کہ اگر کسی نیک جذبہ کے تحت بھی یہ لوگ کسی کام پر روپیہ صرف کرتے ہیں تو ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کام کی ہدایت و رہنمائی بھی وہ خود ہی کریں، بلا لحاظ اس کے کہ ان میں رہنمائی کہ اہلیت ہو یا نہ ہو اس بنا پر میں نے ابتدا سے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اس عمارت کو میں اپنے بل بوتے پر خود اپنے نقشہ کے مطابق بناؤں گا۔ اور بعد میں جو لوگ میری مالی مدد کرنا چاہیں گے ان کی مدد واضح طور پر صرف اس شرط کے ساتھ قبول کروں گا کہ وہ تعمیر کے کام میں دخل نہ دیں۔[13]

علامہ اقبالؒ اور چوہدری نیاز علی خان مسلسل اپنے ادارے کے لیے کسی مرد حق کی تلاش میں مصروف تھے کہ علامہ اقبالؒ کی نظر مولانا مودودی پر آ کر ٹھہری اور اس سلسلہ میں چوہدری صاحب کو مولانا مودودی صاحب کے بارے میں مشورہ دیتے ہوئے لکھا:

> سر دست ایک نام میرے ذہن میں آتا ہے۔ حیدر آباد سے ایک بڑا اچھا رسالہ ترجمان القرآن نکل رہا ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اس کے ایڈیٹر ہیں۔ میں نے ان کے مضامین پڑھے ہیں۔ دین کے ساتھ ساتھ وہ مسائل حاضرہ پر

---

[13] سید ابوالاعلیٰ مودودی، اختر حجازی (ترتیب و تدوین)، **دارالاسلام**، (ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۵ء) ص ۱۳۴۔۱۳۵

بھی نظر رکھتے ہیں۔ان کی کتاب الجہاد فی الاسلام مجھے بہت پسند آئی ہے۔آپ کیوں نہ انہیں دار الاسلام آنے کی دعوت دیں۔میرا خیال ہے کہ وہ دعوت قبول کریں گے۔[14]

مولانا مودودی کافی عرصہ سے یہ بات محسوس کر رہے تھے کہ لوگوں کی اسلام سے دور ہونے کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے اسلام کا اجتماعی نظام اور اجتماعی زندگی نہیں ہے۔لہٰذا اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ لوگوں کو اسلامی نظام کی اجتماعی زندگی کا ایک عملی نمونہ بنا کر دکھایا جائے اور ایک ایسی بستی تعمیر کی جائے جس کے باشندوں کی پاکیزہ زندگی، ایثار و قربانی اور باہم اخوت و مساوات کو دیکھ کر لوگ اسلام کے اجتماعی نظام کو قابل عمل اور قابل رشک جاننے لگیں۔علامہ اقبالؒ، چوہدری نیاز اور مولانا مودودی کا اسی خاکے پر اتفاق ہوا تھا اور یہی خاکہ دار الاسلام کا ابتدائی تصور تھا۔اسی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ادارہ دار الاسلام کی بنیاد رکھی گئی اور یہ ادارہ جماعت اسلامی کی شاہراہ تک پہنچانے والی پگڈنڈی ثابت ہوئی۔مولانا مودودی علامہ اقبالؒ کے مشورے سے ۱۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو بطور سربراہ دار الاسلام میں منتقل ہو گئے۔انہوں نے چوہدری نیاز کو اس ادارے اور جگہ کے نام کی تجویز دیتے ہوئے کہا تھا کہ:

> دار الاسلام ادارہ اور جگہ دونوں کا نام ہو گا۔یہ نام Muslim State کے معنی میں نہیں بلکہ Muslim Cultural Home کے معنی میں ہے۔خدا کرے کہ پہلے معنی کا مسمیٰ بھی ہو جائے۔مگر سر دست دوسرے معنی ہی میں ہم اس کو دار الاسلام کہہ رہے ہیں اور اس لحاظ سے اس کا اطلاق ادارہ پر بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح مقام کا ادارہ پر۔لیٹر پیڈ جو چھپوائے جائیں ان کی پیشانی پر "ان الدین عند اللہ الاسلام"[15] لکھوایئے۔اس کے نیچے نستعلیق خط میں جلی حروف میں دار الاسلام لکھوایئے اور نیچے ذرا خفی مگر نمایاں ٹائپ میں اس نام کی انگریزی تشریح لکھنے لکھوا دیجئے۔[16]

۱۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو مولانا مودودی حیدر آباد سے اس ادارے میں منتقل ہو گئے لیکن ان کی آمد کے چند ہفتے بعد ہی ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبالؒ کا انتقال ہو گیا۔اس صدمے کے باوجود مولانا مودودی اور چوہدری نیاز علی نے اس مقصد کو جاری رکھا لیکن کچھ ہی عرصہ میں آپس کے اختلاف کی وجہ سے مولانا مودودی نے دار الاسلام کو چھوڑ کر جنوری ۱۹۳۹ء کو لاہور منتقل ہو گئے۔اس اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ چوہدری نیاز سیاسی لحاظ سے مسلم لیگ سے وابستہ تھے۔جبکہ مولانا ان دنوں مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش کے زور دار علمی مضامین لکھ کر کانگریس، مسلم لیگ اور دیگر جماعتوں پر تنقید کر رہے تھے اور ان کو اسلام کے حقیقی نصب العین کی طرف لوٹنے کی دعوت دے رہے تھے۔اس بات پر چوہدری نیاز نے مولانا کو یہ بات صاف صاف کہہ دی کہ اگر آپ نے دار الاسلام رہنا ہے تو یہاں سیاست سے اجتناب کرتے ہوئے صرف درس و تدریس اور تبلیغ کا کام جاری رکھیں اور مسلم لیگ کے خلاف کچھ بھی نہ لکھیں۔

---

[14] ۔نقی علی، **سید مودودی کا عہد میری نظر میں**،(البدر پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۰ء) ص ۳۵

[15] ۔**القرآن ۳:۱۹**

[16] ۔اسعد گیلانی، **اقبال، دار الاسلام اور مودودی**،(اسلامی اکادمی لاہور، ۱۹۷۸ء) ص ۱۸۳

یہ ادارہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۸ء سے ۲۵ جنوری ۱۹۳۹ء تک بستی جمال پور میں کام کرتا رہا مگر ٹرسٹیوں کے اختلاف کی وجہ سے مجلس شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ اس کا دفتر پٹھانکوٹ سے لاہور منتقل کر دیا جائے۔ لہٰذا ۲۶ جنوری ۱۹۳۹ء کو ادارہ دارالاسلام کا دفتر لاہور منتقل کر دیا گیا۔ یہ ادارہ ایک دعوتی و تبلیغی ادارہ تھا جس کے اصل روحِ رواں مولانا مودودی تھے۔ ادارہ دارالاسلام، دارالاسلام بستی اور دارالاسلام ٹرسٹ یہ تینوں الگ الگ تھے۔ لاہور منتقل ہونے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ مولانا مودودی بلا روک ٹوک مکمل آزادی کے ساتھ اپنے مقاصد، دینی نظریات وافکار کو پیش کرنا چاہتے تھے جو کہ دارالاسلام بستی اور ٹرسٹ میں رہ کر ممکن نہیں تھے۔

مولانا مودودی نے لاہور منتقل ہونے کے بعد اپنے پروگرام کو آگے بڑھانے کے لیے مؤثر انداز میں اپنا دعوتی پروگرام مرتب کیا اور ترجمان القرآن کے ذریعے سے اپنی دعوت دور دور تک پہنچائی۔ لوگوں کے ذہنوں کو ہموار کیا اور ان کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے رہے۔ مولانا مودودی نے اپنی دعوت کے ذریعے برصغیر کی مسلم جماعتوں کی اصلاح کی بھی متواتر کوشش کرتے رہے تاکہ ان میں سے ہی ایک جماعت اپنا لائحہ عمل ایسا مرتب کرلے تاکہ ایک صالح اسلامی جماعت کی ضرورت کو پورا کیا جاسکے مگر مولانا محترم کو اس میں کوئی کامیابی نہ ملی۔ وہ کہتے ہیں:

> میں نے اور میرے ہم خیال لوگوں نے کامل تین سال اس امر کی کوشش کی کہ مسلمانوں میں جو بڑی بڑی جماعتیں اس وقت قائم ہیں وہ سب یا کم از کم ان میں سے کوئی ایک اپنے نظام اور پروگرام میں ایسی تبدیلی کرے جس سے اسلام کی یہ ضرورت پوری ہو جائے اور ایک نئی جماعت بنانے کی حاجت باقی نہ رہے مگر افسوس کہ ہمیں اس کوشش میں پوری ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد ہمارے لیے کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ ان لوگوں کو جمع کریں جو موجودہ جماعتوں کے طرزِ عمل سے غیر مطمئن اور صحیح اسلامی اصولوں پر کام کرنے کے خواہش مند ہیں۔[17]

دیگر مسلم جماعتوں کے طرز عمل سے نالاں مولانا مودودی مسلمانوں کے لیے ایک ایسی صالح اسلامی جماعت کی ضرورت محسوس کر رہے تھے جو حقیقی معنوں میں ایک اسلامی جماعت ہو جس کے کارکن پورے شعور کے ساتھ اس کی دعوت کو قبول کریں اور بندگی و اطاعت خالص اللہ تعالیٰ کی کرنے والے ہوں۔ مولانا اس بات میں یکسو تھے کہ اسلام ایک مقصد حیات، ایک مشن اور ایک تحریک کا نام ہے اور وہ اسی اجتماعیت کو وجود میں لانے کے لیے مختلف کوششیں کرتے رہے اور جماعت اسلامی کا قیام اسی سلسلے کی آخری کڑی تھی۔ اس سلسلے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مولانا نے ترجمان القرآن میں اپنے ہم خیال لوگوں کو دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> محرم کی اشاعت میں جماعت اسلامی کی تشکیل کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرات اس نصب العین اور اس طریق کار سے متفق ہیں اور اس کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں وہ دفتر ترجمان القرآن کو اپنے عزم سے مطلع فرمائیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ جہاں جہاں اس فکر کے آدمی موجود ہیں ان کے درمیان ربط پیدا کیا جائے اور ان کے اجتماع کی کوئی صورت نکالی جائے۔ لہٰذا اگر ہمیں ان

---

[17] ۔اسعد گیلانی، سید، **سید مودودی دعوت و تحریک**، (اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۰ء) ص ۸۲۔۸۳

کے پتے معلوم ہوں تو ایک اجتماعی ہیت بنانے میں بڑی سہولت ہو جائے گی۔ بہت سے حضرات ایسے ہیں جو مقصد سے متفق ہیں اور کام کرنا چاہتے ہیں، مگر صرف یہ دیکھ خاموش بیٹھے ہیں کہ بظاہر کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ اب انہیں مہر سکوت توڑنی چاہیے اور اپنے ارادے کا اظہار کر دینا چاہیے۔ بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو اپنی اپنی جگہ اس سلسلہ میں کچھ کام کر رہے ہیں مگر انہیں سمجھنا چاہیے کہ ایک فکر اور ایک مقصد رکھنے والے لوگوں کا الگ الگ رہنا اصولاً غلط اور عملاً غیر مفید ہے۔ ایسے سب حضرات اگر دفتر ترجمان القرآن کو ایک واسطہ کی حیثیت سے استعمال کریں تو ان کے درمیان رابطہ پیدا ہو سکتا ہے۔ کیا ہم امید کریں کہ ایسے تمام حضرات غیر ضروری تامل کے بغیر ہمیں اپنے پتوں اور ضروری حالات سے آگاہ فرمادیں گے۔[18]

مولانا مودودی نے اس دعوت کے بعد اگلے شمارے میں ربیع الاول میں مجوزہ جماعت اسلامی کا دستور شائع کیا تاکہ جو لوگ ان کے مقصد اور کام سے متفق ہوں وہ اس پر غور و فکر کریں۔ نیز اہل علم حضرات سے رائے طلب کرنے کی خاطر اس دستور کا مسودہ چھپوا کر تقریباً سو کے قریب اہل علم حضرات کو بھی بھیجا گیا۔ تقریباً پچاس کے قریب حضرات نے اس کام میں دلچسپی کا اظہار کیا اور تعاون کا یقین بھی دلایا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے دفتر ترجمان القرآن میں یکم شعبان ۱۳۶۰ھ بمطابق ۲۵ اگست ۱۹۴۱ء کو ان حضرات کا ایک اجتماع بلایا گیا۔ شرکائے اجتماع کی تعداد ۷۵ تھی۔ ۲ شعبان کو صبح آٹھ بجے ترجمان القرآن کے دفتر میں پہلا اجتماع شروع ہوا اور اس اجتماع سے مولانا مودودی نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اس اجتماع کے انعقاد کی غرض یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی عقیدہ کو جان بوجھ کر قبول کریں اور اس کے نصب العین کے لیے کام کرنے پر تیار ہوں، وہ اپنی انفرادی حیثیت کو ختم کر کے اللہ اور رسول کی ہدایت کے مطابق ایک جماعت بن جائیں اور باہمی مشورہ سے جماعتی طریق پر آئندہ کام کرنے کے لیے ایک نظام بنالیں۔ میرا کام آپ کو ایک جماعت بنا دینے کے بعد پورا ہو جاتا ہے۔ میں صرف ایک داعی تھا، بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کر رہا تھا، اور میری تمام مساعی کی غایت یہ تھی کہ ایسا ایک نظام جماعت بن جائے۔ جماعت بن جانے کے بعد میں آپ کا ایک فرد ہوں۔ اب یہ جماعت کا کام ہے کہ اپنے میں سے کسی اہل تر آدمی کو اپنا امیر منتخب کرے، اور پھر یہ اس امیر کا کام ہے کہ آئندہ اس تحریک کو چلانے کے لیے اپنی صوابدید کے مطابق ایک پروگرام بنائے اور اسے عمل میں لائے۔[19]

مولانا مودودی نے اس خطاب کے بعد جماعت کے دستور کا مسودہ پڑھ کر سنایا۔ اس مسودے کی کاپیاں اجتماع ارکان کو پہلے ہی مہیا کر دی گئی تھیں تاکہ وہ اس پر اچھی طرح غور و فکر کر لیں۔ اس اجتماع میں دستور پر کھل کر بحث کی گئی اور بعض ترامیم اور اضافوں کے ساتھ دستور کو پاس کر لیا گیا۔ دستور کی منظوری کے بعد اب اسلامی نصب العین کے حصول کے لیے جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی گئی۔ اور

---

[18] ۔ابوالاعلیٰ مودودی، سید ، **ماہنامہ ترجمان القرآن** ،(لاہور، اپریل ۱۹۴۱ء)، ج ۱۸، عدد ۲، ص ۱۰۱

[19] ۔ابوالاعلیٰ مودودی، سید، **ماہنامہ ترجمان القرآن** ،(لاہور، جون، جولائی، اگست ۱۹۴۱ء)، ج ۱۸، عدد ۴، ۵، ۶، ص ۴۶۵

اس اجتماع میں شریک افراد میں سے جو اس نصب العین کے لیے دل و جان سے کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں اور وہ کلمہ شہادت کے تمام تقاضوں کو مد نظر رکھ کر اور اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کلمہ شہادت کی تجدید کر کے جماعت اسلامی میں شامل ہو سکتے تھے۔ سب سے پہلے مولانا مودودی تجدید ایمان کر کے داخل ہوئے اور ان کے بعد مولانا منظور نعمانی اور پھر باری باری تمام حاضرین نے کلمہ شہادت ادا کرنے کے بعد جماعت اسلامی میں شامل ہو گئے۔ اور اگلے دن سات ارکان کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس کو جماعت کا امیر منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا اور اس کمیٹی کی باہمی مشاورت سے مولانا مودودی کو پہلا امیر مقرر کیا گیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد سے برصغیر میں جو بھی اسلامی تنظیمیں قائم کی گئی ان میں سے جماعت اسلامی کو ایک ممتاز مقام اس کے قیام کے مقاصد کی وجہ سے حاصل ہے۔ اس کے دستور میں اسلام کے کسی ایک جز یا دنیاوی مقاصد کے بجائے پورے اسلام کو مطمع نظر بنایا گیا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

> اس دستور کی بنیاد جس خیال پر رکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اسلام کے کسی ایک جزء کو یا مسلمانوں کے دنیوی مقاصد میں سے کسی مقصد کو لے کر نہ اٹھیں بلکہ اصل اسلام اور پورے اسلام کو لے کر اٹھیں۔ جس مقصد کے لیے انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے وہی ہمارا مقصد ہو۔ جس چیز کی طرف انہوں نے دعوت دی اسی کی طرف دعوت ہم دیں۔ جس طرز پر وہ ایمان لانے والوں کی جماعت بناتے تھے اسی طرز پر ہم جماعت بنائیں، جو نظام جماعت ان کا تھا وہی ہمارا ہو، جن ضوابط کو وہ اپنی جماعت میں نافذ کرتے تھے انہی کو ہم بلا کسی کمی و بیشی کے نافذ کریں، جس طریقہ سے وہ اپنے نصب العین کے لیے جد وجہد کرتے تھے اسی طریقہ سے ہم جد وجہد کریں۔ غرض ہماری تحریک ذرہ برابر نہ اسلام سے کم کسی چیز پر مشتمل ہو اور نہ اس سے زائد، بلکہ پورے کے پورے اسلام ہی کو ہم اپنی تحریک بنالیں۔ اسی لیے ہم اس جماعت کو جو اس دستور پر بنی ہے جماعت اسلامی کہتے ہیں۔[20]

غرض جماعت اسلامی کے قیام سے پہلے برصغیر میں مسلمانوں کی جو بھی تحریکیں وجود میں آئیں ان کے پیش نظر اسلام کا کوئی ایک جزء یا دنیاوی مقاصد تھے۔ اور ان میں شامل ہونے والے ہر قسم کے مسلمان تھے جس میں کسی قسم کی سیرت و کردار کا عمل دخل نہیں تھا ۔ یہ تحریکیں بھی وطنی قومیت کے زیر سایہ تھیں جبکہ مولانا مودودی نے دینی قومیت کے تشخص کو ابھارا اور جماعت میں داخلے کے لیے خاص شرائط مقرر کی گئیں تاکہ حقیقی مسلمان کارکنان کو جمع کیا جائے اور وہ سب مل کر جماعت کے نصب العین حکومت الٰہیہ کے قیام اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے تمام سعی وجد وجہد کریں۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

---

[20] ۔ابوالاعلیٰ مودودی، سید، ماہنامہ ترجمان القرآن، (لاہور، مئی ۱۹۴۱ء)، ج ۱۸، عدد ۳، ص ۱۷۱

مسلمانوں میں جو تحریکیں اٹھتی رہی ہیں اور جواب چل رہی ہیں پہلے ان کے اور اس تحریک کے اصولی فرق کو ذہن نشین کر لینا چاہیے: اولاً ان میں یا تو اسلام کے کسی ایک جزء کو یا دنیوی مقاصد کو لے کر بنائے تحریک بنایا گیا ہے لیکن ہم عین اسلام اور اصل اسلام کو لے کر اٹھ رہے ہیں اور پورا کا پورا اسلام ہی ہماری تحریک ہے۔[21]

جماعت اسلامی اور دیگر برصغیر کی مسلم مذہبی اور سیاسی جماعتوں کے کے قیام کے مقاصد واہداف میں نمایاں فرق ہے۔اس جماعت کے بانی ارکان نے جماعت کے قیام سے پہلے ہی مقاصد واہداف مقرر کر دیئے تھے جو اس کو دیگر جماعتوں سے نمایاں کرتے ہیں۔ مولانا گوہر رحمٰن بیان کرتے ہیں:

جماعت اسلامی کے بانی اور اس کے تاسیسی ارکان نے بھی تشکیل جماعت سے پہلے ہی اس کے مقصد و ہدف کا شعوری ادراک اور تعین کر لیا تھا اور تھا رضائے الٰہی اور فلاح اخروی کے حصول کے لئے اقامت دین یعنی اسلامی نظام زندگی کا قیام اور عملی نفاذ، اور یہ تشریح بھی کر دی گئی تھی کہ اقامت دین سے مراد دین کے کسی خاص حصے کا قیام نہیں ہے بلکہ پورے دین کی اقامت ہے۔[22]

نتیجہ بحث:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز حکمرانوں کی پالیسیوں کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان مذہبی، معاشی اور تعلیمی لحاظ سے بری طرح متاثر ہوئے۔اور خاص طور پر تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد مسلمان ہند شدید مایوسی کا شکار ہوئے کیونکہ تقریباً تمام مسلمان لیڈر بری طرح ناکام ہو چکے تھے۔ کوئی بھی جماعت دوسرے پر اعتماد کرنے کو تیار نہ تھی۔ یہ زمانہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے سخت ذہنی خلفشار وانتشار کا دور تھا۔ مسلمانوں کے اس قومی انتشار کے دور میں من حیث القوم کوئی واضح اور متعین نصب العین نہیں تھا۔ہندو مسلم فسادات پھیلتے جا رہے تھے مسلم تنظیمیں باہمی اختلاف وانتشار کا شکار تھیں۔ یہ وہ دور تھا جس میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مشترکہ جدوجہد کا جو تجربہ کیا تھا وہ ناکام ثابت ہوا۔اور ابھی تک کوئی نئی راہ عمل بھی واضح طور پر سامنے نہیں آئی تھی۔ مغربیت، اشتراکیت جیسے فتنوں نے ذہنوں کو پراگندہ کرنے کے لیے سر اٹھایا۔ کوئی بھی مسلم جماعت ان فتنوں کا سدباب نہ کر سکی۔اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ برصغیر میں مسلمانوں کی جو بھی تحریکیں وجود میں آئیں ان کے پیش نظر دنیاوی مقاصد یا اسلام کا کوئی ایک پہلو تھا۔اور ان میں شامل ہونے والوں کی سیرت وکردار کی بھی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ان میں اکثر تحریکیں وطنی قومیت کے زیر سایہ تھیں۔ اسی دور کے فتنوں اور مسلمانوں کے باہمی انتشار کو دیکھ کر مولانا مودودی نے ان حالات کا مقابلہ کرنے اور اسلام کی حفاظت و سربلندی کا بیڑا اٹھانے کا سوچا۔

ہندوستان میں اس وقت تک جتنی بھی مسلم جماعتیں تھیں وہ تین قسم کی تھیں۔ایک وہ اسلام کا نام تو لیتی تھیں مگر سیکولر اور قومیت کی علمبردار تھیں۔ دوسری قسم کی وہ تھیں جو اپنا نصب العین تو اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ بتاتی تھیں مگر وہ اسلام کا حلیہ ہی بگاڑنے پر

---

[21] ۔ابوالاعلیٰ مودودی، سید، روداد جماعت اسلامی، (جماعت اسلامی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۸ء)، ج ۱، ص ۱۱

[22] ۔ گوہر رحمٰن (مولانا)، تفہیم المسائل، (مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، ۲۰۱۰ء) ط چہارم، ص ۵۷

تلی تھیں۔ تیسری قسم کی دینی تھی جو قومیت پر مبنی سیاست کی حامل تھی۔ ان سب کے برعکس جماعت اسلامی ایسی جماعت تھی جو کتاب و سنت کی بنیادوں پر وجود میں آئی اور اس کا بنیادی مقصد اور نصب العین ہی خالصتاً اسلامی نظام حیات کا قیام تھا۔ اس جماعت کو قائم کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کو مد نظر رکھا گیا اور اس جماعت میں شامل ہونے والوں کے لیے بھی اسلامی احکام کی پابندی بھی ضروری تھا۔

تجاویز و سفارشات:

جماعت اسلامی نے مولانا مودودیؒ کی رہنمائی میں مختلف فتنوں کے خلاف جس طرح علمی و قلمی جہاد میں جلیل القدر کارنامے سرانجام دیے تھے آج پھر اس میدان میں جماعت اسلامی کو بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ضرورت ہے۔

مولانا مودودیؒ نے جس طرح جماعت اور اس کے کارکن تیار کیے عصر حاضر میں بھی جماعت اسلامی کے رہنماؤں کو اسی انداز میں کارکنان کی تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے اور مولانا کے علمی ورثے سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے۔

مولانا مودودیؒ نے جماعت کی تشکیل کے وقت یہ بات پیش نظر رکھی تھی کہ جماعت ایسے افراد پر مشتمل ہو جو اسلامی عقائد میں مخلص اور انفرادی سیرت و کردار میں بھی قابل اعتماد ہوں تو اس وقت بھی جماعت کے ذمہ داران کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ جماعت میں صرف ان ہی افراد کو شامل کیا جائے جو ان خصوصیات کے حامل ہوں تو اس نتیجہ جماعت کے حق میں بھی بہتر ہو گا۔